شاہ ولی اللہ کا فلسفۂ زمان و مکان

محمد شفیق بھٹی

کائنات کا تنوع، اسکی وسعت اور اس میں تغیر و تبدیلی فکر انسانی کا سب سے اہم موضوع رہی ہے۔ فکر انسانی کائنات کے اسرار و رموز کو مختلف جغرفیائی، طبعیاتی اور مابعد الطبیعاتی حوالوں سے کھولنے کے لئے کوشاں رہی ہے جس کا اولین نتیجہ تہازیب انسانی میں فلسفہ اور مذہب کا نفوذ تھا۔ فلسفہ اور مذہب کے ابتدائی دور میں ہی کائنات کی رنگارنگی اور تغیر و تبدل کے لئے مکان کے جغرافیائی حوالے اور زمان کی طبعیاتی و مابعد الطبعیاتی اصطلاحات استعمال کی جانے لگی تھیں[۱]۔ زمان و مکان کے انہی مسائل اور حوالوں نے بعد ازاں جدید نظریاتی اور اطلاقی سائنسی علوم کی بنیاد رکھی۔[۲]

زمانی و مکانی دائرہ ہائے فکر

زمان و مکان کے مسئلے نے انسانی فکر کے لئے کئی سنجیدہ مباحث کو فروغ دیا۔ تکوین کائنات سے متعلق سوالوں نے جہاں ایک طرف زمان و مکان کی علیحدگی کا تصور دیا وہاں ذات مطلق کی طرح زمان سے متعلق بھی مجرد نظریات کو فروغ دیا اور زمان اور مکان سے متعلق حادث اور قدیم کی بحث شروع کی۔ قدیم ایرانی فکر میں زمان کو خدا کا مترادف قرار دیا گیا[۳] اور دور جدید میں بھی بعض مفکرین زمان کی حدوث عالم میں قدامت کے قائل ہیں[۴]۔ اس سے ہی زمان کے حوالے سے ارتقائی اور غیر ارتقائی تبدیلی[۵] کا سوال منسلک ہوا جس سے الٰہیاتی اور ارتقائی عوامل کی کشمکش کا سوال فکر انسانی کا موضوع بنا اور روحانیت اور مادیت کے موضوع مرتب ہوئے۔ اسلام کی آفاقیت کا سوال براہ راست زمانی و مکانی اصطلاحات کے مستقل اور متغیر پہلوؤں سے منسلک ہے۔ تہذیبی و ثقافتی، سماجی اور معاشی نظاموں میں مختلف اقوام کا اختلاف اور مختلف ادوار میں ان میں تبدیلیاں اسلام کی آفاقی حیثیت سے متعلق سوالات اٹھاتی ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر علامہ اقبال اس بحث کو کائنات میں انسانی مقام اور رسائی سے منسلک کرتے ہیں اور ''خودی'' ''انا'' اور ''مرد کامل'' جیسی اصطلاحات وضع کرتے ہیں۔ ان کے مطابق انسان کے منتہائے مقصود کا یونانی نظریہ بہت محدود ہے۔ جبکہ اسلام کا مقصود حاصل لامحدود ہے۔ چنانچہ ایک ایسے معاشرے میں جو ایسے آفاقی رویے اور رجحانات رکھتا ہے، زمان و مکان کا مسئلہ زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا ہے[۶]۔

مسئلہ زمان و مکان کے اسی فلسفیانہ پس منظر میں شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ دو حوالوں سے موضوع بحث بنایا جا سکتا ہے۔ ایک مابعد الطبیعاتی فلسفہ اور دوسرا اس سے ہی منسلک اسلام کی آفاقیت کا سوال۔ مابعد الطبیعاتی حوالے سے زمان و مکان کی نوعیت' اصطلاحات کی حیثیت اور باہمی تعلق کا سوال اہم ہے اور اسلام کی آفاقیت کے حوالے سے ثقافتی اختلافات' رسوم' رواج' قوانین اور زمانی و مکانی تبدیلیوں کے سوالات۔

شاہ ولی اللہ کا ادراک زمان و مکان

شاہ ولی اللہ کا ادراک ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے اور وہ منفرد انداز میں زمان و مکان کے مسائل سے بحث کرتے ہیں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں:

> یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ مسلمان صوفی فلاسفہ کی ساری کاوشیں جو کتاب و سنت اور اسلامی تعلیمات پر مبنی تھیں اس بات کی شاہد ہیں کہ دیگر مذاہب اور فلاسفہ کے مقابلے میں اسلام کی مدافعت اور حقانیت ثابت کرنے کے لئے ظہور میں آئیں۔ شاہ صاحب بھی اس سلسلہ کی ایک ارفع ترکڑی ہیں اور بہت سے ایسے حقائق شاہ صاحب نے بیان کئے ہیں جو یا تو کسی اجمال کی تفصیل ہیں یا بعض ان کی انفرادیت کا ثبوت ہیں۔[۸]

شاہ ولی اللہ سے قبل صوفیا اور فلاسفہ میں زمان و مکان مختلف مابعد الطبیعاتی اصطلاحات میں بیان کیے جاتے تھے مثلاً زمان سرمدی' زمان دہری یا مکان سری' مکان جہری وغیرہ لیکن شاہ صاحب اپنے نظریات کو ان اصطلاحات سے نکل کر مدون کرتے ہیں۔ شاہ صاحب اپنے نظریات کے ذریعے زمان و مکان کی قدامت اور اولیت (ایک دوسرے پر) کے سوالات ختم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو یکجا و یکتا کر کے وحدت الوجودی نظریہ توحید کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔[۹] اس طرح نہ صرف اسلامی تصوف و فلسفہ کی اصلاح کے خواہش مند ہیں بلکہ غیر اسلامی فکر پر اسلام کی برتری بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کی آفاقیت کو مسلم شکل دینا چاہتے ہیں۔

شاہ صاحب نے اپنی کئی ایک تصنیفات میں زمان و مکان اور اس سے متعلقہ حوالوں سے بحث کی ہے ان میں خیر الکثیر' تفہیمات' حجتہ اللہ البالغہ' سطعات' لمحات' ہمات' فیوض الحرمین اور کئی چھوٹے مقالے شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ ارادہ الٰہی اور امر الٰہی کو یکجا کرتے ہیں اور تکوین کائنات میں زمان و مکان کو حادث قرار دے کر زمان یا مکان کی قدامت کو تصور ختم کرتے ہیں اور واحدانیت کا تصور پیش کرتے ہیں اور زمان و مکان کو جسم سے منسلک کر کے ان کی ذات باری سے ہمسری کے تصورات کو رد کرتے ہیں۔ تکوین کائنات کے مسئلہ سے نکل کر شاہ صاحب ارتقاء معاشرہ

کے مسائل سے بحث کرتے ہیں اور اس ضمن میں شرائع میں زمان ومکان کی ارتقائی اور ثقافتی نوعیت تسلیم کر کے اسلام کی آفاقی حیثیت واضح کرتے ہیں۔

تکوین کائنات اور مسئلہ زمان ومکان

شاہ صاحب تکوین کائنات کے فلسفہ کے ذریعے زمان ومکان کے کئی ایک مسائل سے بحث کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک اسمائے ربانی صفاتی ہیں چنانچہ وہ اسمائے الٰہیہ کے ذریعے تکوین کائنات کی توضیح کر کے کائنات کو اسمائے الٰہیہ کا پرتو اور اظہار قرار دیتے ہیں۔ فلاسفہ میں ذات اور صفات کی نوعیت اور تعلق کی بحث سے دونوں کی علیحدگی کا جو تصور موجود تھا شاہ صاحب اسے ابن العربی کی وحدت الوجودی فکر کی بنیاد ذات وصفات میں وحدت کے تصور سے بدلتے نظر آتے ہیں اور اس طرح توحید کامل کا تصور دیتے ہیں۔

شاہ صاحب کے نزدیک تکوین کائنات کی وجہ ارادہ الٰہیہ ہے چنانچہ قرآن پاک کی اس آیت سے اپنا موضوع شروع کرتے ہیں۔

"انما امره ارد شیاً ان یقولو له کن فیکون"

(اس کے حکم صادر کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ جب وہ کسی امر کو انجام دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے[۱۰])

شاہ صاحب اس کی تشریح میں ارادہ الٰہی اور امر الٰہی میں وحدت پیدا کرتے ہیں ان کے نزدیک ارادہ الٰہی، تکوین کے مترادف ہے اور تکوین، ارادہ الٰہی کے۔ تکوین اور ارادہ الٰہی میں تعلق ازلی ہے اور ازل کسی محدود وقت کو نہیں کہتے بلکہ ازل ایک ایسی علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے جو تخلیق کائنات کو ظاہر کرتی ہے اور زمانی مفہوم سے بالا ہے اور زمان ومکان سے ماورئی ہے۔[۱۱]

ازل اور زمان ومکان میں تفریق کے ساتھ شاہ صاحب تکوین کی بنیاد ازل (کچھ موجود نہ ہونے کی حالت) اور ارادہ الٰہیہ پر رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کے مطابق ازل میں ارادہ الٰہیہ سے امکانات کی تخلیق تکوین کائنات کی بنیاد ہے استعداد وارادہ الٰہیہ سے ازل میں تکوین کا عمل بیک وقت ظاہر ہوا۔[۱۲]

شاہ صاحب ازل میں ارادہ الٰہیہ سے امکانات کی تخلیق اور تکوین کائنات کے نظریہ میں زمان سرمدی[۱۳] کو زیر بحث نہ لا کر زمان اور ذات باری میں یکتائی کے تمام مباحث کو ختم کر دیتے ہیں اور زمان ومکان کو حادث قرار دے کر تخلیق ربانی قرار دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام عالم اپنے زمان ومکان اور ہیولیٰ سمیت حادث ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ

ارادہ ءازلیہ اس کی علت ہے اور وہ اس کا معلول' اس لئے وہ غیر پاک ہے اور طہارت وقدس سے محروم ہے۔ اس ذات میں حرکت اور انتقال اور ایسی مکانیت اور زمانیت کا اقتصاد موجود ہے جس سے پہلے ایک موہوم ''بعد''۔ جو اس عالم ذات اقدس سے حاصل ہوا اس کا تصور قوت واہمہ کے تمثلات سے ہے۔[۱۴]

جوہر زمان ومکان

شاہ ولی اللہ جوہر زمان و مکان سے 'ذات باری تعالیٰ' شخص اکبر اور کائنات مادی کے حوالے سے بحث کرتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ کی وحدانیت قائم رکھتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

زمان کے مفہوم میں ہر چند وسعت پیدا کی جائے تو وہ ایک وحدت ہے جو ہمہ حال باری تعالیٰ کے حضور میں ہے اور وہ اپنے حسب ارادہ اس میں تصرف فرماتا ہے۔ تجدد' فنا اور زوال کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم اپنے ساتھ اس کی نسبت پیدا کرتے ہیں۔[۱۵]

زمان کی اس وحدت کی ذات باری میں ہمہ حال حضوری سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک کے اسرار زمان ومکان سے واقف ہے۔ یہ بات تسلیم کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے سارا نظام کائنات اس کے حضور حاضر ہے۔ چنانچہ یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ کو اس نظام سے ہٹ کر کائنات میں عمل دخل قائم کرنا پڑتا ہے مسئول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ''بدورالبازغہ'' میں شاہ صاحبؒ وضاحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''رحمت'' کے ذریعے اس ازلی اور ابدی نظام کو تحفظ فراہم کیا ہے اور اس نظام کو فطری بنا کر مستقل' ہمہ گیر اور اٹل کر دیا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کے نظام فطرت اور علت ومعلوم سے متعلق نظریات کی بنیادیں اس میں تلاش کی جا سکتی ہیں۔

تصور ذات باری کو زمان ومکان سے مصفیٰ کرنے کے بعد شاہ صاحب زمان ومکان کا تعلق شخص اکبر سے جوڑتے ہیں۔ لیکن یہ وضاحت فرما دیتے ہیں کہ زمان ومکان کا اثر ان عناصر پر نہیں ہوگا جو کہ زمان ومکان کے ساتھ بیک امر وجود میں آئے۔ شخص اکبر میں کئی چیزیں تقدم اور تاخر کے سوال سے ہٹ کر بیک امر الٰہی وجود میں آئیں ان میں زمان ومکان شیئوں واعیان (فطرت' انواع' امکانات) شامل ہیں۔ یہ چیزیں ایک دوسرے سے متعلق ہیں لیکن ایک دوسرے کو بدل نہیں سکتیں یعنی زمان مکان میں اور مکان، زمان میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتا اور نہ یہ انواع و امکانات اور قوانین فطرت کو بدل سکتے ہیں۔[۱۶]

اس طرح شاہ صاحب نظام فطرت کی بقاء کا نظریہ پیش کرتے ہیں اس کی مثال ایک بیج سے دی جاتی ہے جو کہ اپنے اندر ایک درخت کی تمام خصوصیات رکھتا ہے۔ لیکن یہ سب خصوصیات تخلیقی عمل شروع ہونے کے بعد سامنے

آتی ہیں۔ بیج سے تصور سے آگاہی ہوتی ہے لیکن وجود سے نہیں۔ تعبیر و تبدیلی کا تخلیقی عمل شخص اکبر کے اندر شروع ہوتا ہے جس میں ازل مکان کی صورت اختیار کرتا ہے اور ارادہ الٰہیہ زمان کی۔ اس طرح کائنات میں تبدیلی کا عمل زمانی و مکانی مفہوم میں سامنے آتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فطری اصولوں کے مطابق تصرف فرماتا ہے چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> اس بحث میں قول فیصل یہ ہے کہ حدوث کی دو قسمیں ہیں ایک حدوث تو وہ ہے جس کا انحصار تقید اور تعین پر ہے، اس کو حدوث اس لئے کہتے ہیں کہ تکوین کے سلسلہ میں اس کا درجہ الٰہیات سے متاخر ہے۔ اس حدوث کا مفہوم تمام کائنات کو حاصل ہے۔ حدوث کی دوسری قسم زمانی ہے اس قسم کا حدوث چونکہ زمانے کے اندر ہوتا ہے اس لئے نفس زمان اور وہ اشیاء جو اس کی ہم عصر ہیں اس کے مفہوم سے خارج ہیں۔[۱۷]

تکوین کے اس نظریہ کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب زمان و مکان کو جسم سے بھی منسلک کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں زمان و مکان کی مادی تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> تمام جسمانی اشیاء پر ایک ایسا جوہر احاطہ کیے ہوئے ہے جو جوہر ذاتی کے ساتھ موصوف ہے۔ اس سے ہماری مراد زمان ہے اس طرح ایک اور جوہر ہے اور یہ وہ چیز ہے جسے مکان کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کا جسمانیات کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں کا محل، جس میں کہ وہ حلول کئے ہوئے ہیں ایسی چیز ہے جو جسم رکھتی ہے بالفاظ دیگر زمان و مکان کا مفہوم کسی جسمانی چیز کے ضمن میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔[۱۸]

زمانی و مکانی تغیرات و تبدیلیاں

زمان و مکان کو جوہر جسمانی قرار دینے سے اس کا تعلق کائنات مادی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے جڑ جاتا ہے تغیر و تبدل اور تنوع زمان اور مکان کا جوہر ہے، تبدیلی زمان کی صفت ہے اور جغرافیائی اختلافات مکان کی خصوصیت ہے۔ زمان و مکان دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور ازل، سے ابد تک کی مکمل کیفیت میں حاضر ہیں اور وہ ان میں اصول فطرت اور علت و معلول کے مطابق تبدیلیاں فرماتا ہے۔

شاہ ولی اللہ زمان کے ارتقائی ضوابط کے لئے قرآن سے لفظ ''یوم'' اخذ کرتے ہیں اور اس سے مکانی تبدیلیوں کا ادراک کرتے ہیں۔ قرآن میں ''یوم'' کا لفظی استعمال اور اس کا اطلاق ادراک زمانی کے لئے ایک آلہ کے طور پر کیا گیا ہے اور شاہ ولی اللہ اسے ''تذکیر بالایام اللہ'' کی اصطلاح میں قرآن پاک کے پانچ علوم میں سے ایک شمار

کرتے ہیں۔قرآن پاک میں ''یوم'' کا لفظ دو مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ایک نظام کائنات [۱۹] کے لئے اور دوسرا اس میں ہونے والی نمایاں تبدیلیوں کے لئے۔[۲۰]

فکر ولی اللہی میں دونوں تصورات موجود ہیں۔وہ نظریہ تکوین کائنات کے ذریعے زمان ومکان اور شیئون واعیان (علامات وامکانات فطرت) کو باہمی اثرات سے مجرد اور قوانین فطرت اور نظام کائنات کو اٹل قرار دیتے ہیں۔[۲۱] اور زمانی ومکانی حدوث اور تبدیلیوں کو قوانین فطرت کے اندر ایک نظم سے تعبیر کرتے ہیں۔[۲۲]

شاہ صاحب اپنی کتاب ''سطعات'' میں قرآن پاک کی اس آیت سے ''کل یوم ہو فی الشان'' (اور ہر روز وہ ایک نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے) سے استدلال کرتے ہوئے زمانی ومکانی تبدیلیوں کو ارتقائی عمل سے تعبیر کرتے ہیں اور شخص اکبر سے معدنیات، نباتات، حیوانات اور انسان کی ارتقائی تخلیق [۲۳] اور بعد ازاں انسانی ترقی کو اقترابات کی مذہبی اور ارتفاقات کی سیاسی ومعاشرتی ارتقائی اصطلاحات کے ذریعے ظاہر کرتے ہیں۔[۲۴]

تصور ارتفاقات کے ذریعے شاہ صاحب ایک انسانی معاشرہ میں معاشرتی ارتقاء کے عمل کی وضاحت کرتے ہیں۔ان کے مطابق انسانی معاشرہ ایک ارفع تر مقصد ذات اعلیٰ سے اتصال کے لئے وجود میں آیا ہے اور اس سمت میں مسلسل حرکت کر رہا ہے۔اس سفر میں انسانی معاشرہ کی ضروریات میں زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آ رہی ہیں اور انسان نئے ادارے اور نظام قائم کر رہا ہے۔مکانی حوالوں سے جغرافیائی اختلافات اور نوعی ہمہ رنگیوں کے باوجود ان اداروں کے مقاصد ہر جگہ اور ہر دور میں ایک جیسے رہے ہیں۔یہ ادارے نظام فطرت میں انسانی استعداد کا پرتو ہیں۔رسوم، رواج اور روایات صدیوں کے ارتقائی عمل سے نشو ونما پائی ہیں اور معاشرتی فلاح ان کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔[۲۵] زمان ومکان کی معاشرتی تبدیلیوں سے اچھائی اور برائی کے نظریات بھی بدلتے ہیں۔[۲۶] چنانچہ اپنی کتاب ''تاویل الاحادیث'' میں وہ دلائل دیتے ہیں کہ واقعات اور شرائع بھی زمانی ومکانی حوالوں سے مرتب ہوتے ہیں۔[۲۷]

شرائع اور زمان ومکان

شاہ صاحبؒ دین اور شرع میں تفریق کرتے ہیں۔شاہ صاحب دین کو فطرت میں شامل کر کے اسے زمان ومکان کا ہم سر بناتے ہیں۔چونکہ زمان ومکان اپنے ہمسر عناصر میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے اس لئے دین لاتبدل اور فطری ہے۔تمام انسانیت کے لئے دین ایک ہی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔[۲۸] اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین بنیادی نظام ہے جس کے تحت انسان اور انسانی نظام تخلیق ہوا۔فلاسفہ اسے قضا کا نام دیتے ہیں اور اس کو ایک نظری کائنات کے طور پر شناخت کرتے ہیں۔اس کا عملی پہلو جسے فلاسفہ قدر کا نام دیتے ہیں اور شاہ صاحب بھی بعض مواقع پر استعمال کرتے ہیں۔شریعت کہلاتی ہے چنانچہ ''تاویل الاحادیث'' میں شاہ صاحب شرائع الٰہی کی زمانی ومکانی توضیح

کرتے ہیں۔ ان کے مطابق شرائع میں بھی ایک ارتقائی عمل پایا جاتا ہے۔مختلف پیغمبروں کی شریعتیں مختلف زمانی و مکانی مسائل کے حل کے لئے تھیں۔ اس ضمن میں شاہ صاحب مختلف انبیاء سے متعلق روایات سے تخریج دلائل کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کے مطابق مختلف انبیاء کی امتوں پر نزول شرائع اور سزاو جزا کے واقعات میں ان کے ماحول، زمان اور مکان کی رعایت شامل رہی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک بند کے کنارے قائم سباء کا شہر خشک سالی سے تباہ ہوتا[۲۹]۔ چنانچہ حجتہ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ''دین اس فطرت کا نام ہے جس میں زمانوں کے بدلنے سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور اس پر مواخذہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ انبیاء کی بعثت سے پہلے بھی ہوتا ہے اور بعد کو بھی۔ اس میں دونوں برابر ہیں اور جو جزا سزا بقضائے شریعت ہوتی ہے اس میں زمانوں کی تبدیلی سے تبدیلی ہو جایا کرتی ہے اور پیغمبروں کی بعثت اس لئے ہوا کرتی ہے۔[۳۰]

حجتہ اللہ البالغہ میں ہی شرائع سے بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب واضح کرتے ہیں کہ شرائع کا انحصار رسوم و رواج اور روایات صالحہ پر ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ رسومات میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں انبیاء اور شرائع کا مقصد ان کی اصلاح اور تدابیر نافعہ (ارتفاقات) کا دوبارہ اجراء ہوتا ہے۔[۳۱]

اس پس منظر میں رسومات کی ارتقائی حیثیت واضح طور پر شریعت میں زمانی و مکانی تبدیلیوں کے حق میں ایک دلیل ثابت ہوتی ہے۔ لیکن یہ دین اور ارتفاقات کو قائم رکھنے کے بنیادی مقصد کے تحت ہوں۔ مذہب اور شرائع کا یہی تعلق ''تاویل'' کا موضوع ہے۔

شاہ صاحب اسلام کو ''دین'' کا نام دیتے ہیں۔ یعنی فطرت جس میں زمانوں کے بدلنے سے کوئی تبدیلی نہ ہو اور اس طرح اسلام کو ایک فطری دین ثابت کرتے ہیں۔ اس کا یہ بھی مطلب واضح ہوا کہ ان عوامل میں جن کے ساتھ دین وجود میں آیا مثلاً زمان ومکان اور انواع وامکانات۔ دین ایک وحدت ہے اور اگر فطرت ایک نظام قوانین ہے اور ضوابط کے تحت ہے تو دین بھی بنیادی طور پر چند ضوابط کا نام ہے نہ کہ جزئیات کا اور اس پس منظر میں شاہ ولی اللہ صاحب کا دین اور شرع کا نظریہ کل اور جز کا نظریہ کہا جاسکتا ہے۔ دین بنیادی ڈھانچہ یعنی دستور ہے اور شرع قوانین کا نام ہے۔ شرائع، ادیان کے ماتحت ایک ارتقائی انجذاب کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ شرع اسلام دین کے مطابق ارتقائی تبدیلیوں اور زمانی ومکانی مصلحتوں کو مدنظر رکھتی ہے۔ شاہ صاحب کی یہ تمام بحث ''علم اسرار دین'' کے موضوع کے ضمن میں ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ صاحب اپنے مقصد جس کی انہوں نے حجتہ البالغہ میں ''اسلام کی عقلی تشریح'' کے حوالے سے توضیح فرمائی ہے، کے مطابق ہے اور اس بحث کے ذریعے شاہ صاحب اسلام کے دامن میں

وسعت پیدا کرتے ہیں اور مکانی اختلافات اور زمانی ارتقاء کی اسلام میں گنجائش پیدا کرتے ہیں اور اسلام کو ایک آفاقی مذہب کے طور پر پیش کرنے کے لئے بھرپور اور ٹھوس دلائل مہیا کرتے ہیں۔

حاصل بحث

شاہ ولی اللہ فکری طور پر اگرچہ یونانی فلسفہ،[۳۲] وحدت الوجودی فکر[۳۳] اور مختلف اسلامی مکاتب فکر سے متاثر نظر آتے ہیں۔[۳۴] لیکن ان کا فلسفہء زمان و مکان اپنے اندر ایک انفرادیت کا حامل ہے جو اپنے حاصل میں نہ تو یونانی فلسفہ سے متاثر نظر آتا ہے اور نہ ہندی فکر سے۔ بلکہ شاہ صاحبؒ کی خالص ذاتی صوفیانہ واردات اور اسمائے الٰہیہ کی توضیح کے ذریعے نظریہء تکوین کائنات کی بنیاد پر ہے۔ اگرچہ اس میں ابن العربی سے مشابہت نظر آتی ہے لیکن شاہ صاحبؒ عام فلسفیانہ اور صوفیانہ اصطلاحات سے نکل کر زمان و مکان سے بحث کرتے ہیں۔ ان کا فلسفہء زمان و مکان، تصور توحید، وحدت الوجود، تصور فطرت و نظام کائنات، کائنات میں انسانی مقام اور شرائع اور زمان کے باہمی تعلق پر تجریدی زاویوں سے روشنی ڈالتا ہے۔

شاہ صاحب کے نظریہء تکوین کائنات سے زمان و مکان حادث قرار پائے ہیں اور شخص اکبر کی وحدت کا جزو۔ اس سے زمان و مکان کی اولیت کے نظریات کی نفی ہو جاتی ہے اور ان نظریات کی بھی جن کے تحت زمان کو خدا کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ شاہ صاحب ارادۂ الٰہی کو تکوین کے مترادف پیش کر کے وحدت الوجودی نظریہ توحید کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ ذات و صفات میں علیحدگی کی بجائے دونوں کی وحدت کے تصور سے امر الٰہی کی کلیت کا اظہار کرتے ہیں۔

زمان و مکان کے حادث قرار پانے سے ان کا دائرہ محدود ہو گیا اور زمان سرمدی کی اصطلاح بے معنی۔[۳۵] شاہ صاحب یونانی فکر کے شخص اکبر کے تصور کو منفرد انداز میں استعمال کرتے ہیں۔ شخص اکبر کی وحدت اور اس میں زمان و مکان اور شیؤن و اعیان کے بیک وقت ظاہر ہونے اور باہمی اثرات سے مبراء ہونے کے تصور سے قوانین و انواع فطرت میں ہم آہنگی کا تصور پیدا ہوتا ہے اور انواع و امکانات اور نظام فطرت دسترس زمان و مکان سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور نظام فطرت و قوانین فطرت اٹل ہمہ گیر اور ناقابل تبدل قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر شاہ صاحب فطرت اور عقلیت سے متعلق اپنے مباحث کو منظم کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ازل اور ارادہ الٰہی کے زمان و مکان کی صورت کی صورت معنوی استقرار سے شاہ صاحب نظام فطرت کے اندر قوانین فطرت کے مطابق ارتقاء اور تبدیل کا نظریہ پیش کرتے ہیں اور عمل ارتقاء کو قوانین فطرت کے الٰہی نظام کے تحت لا کر الٰہیاتی فکر میں تطبیق کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کے نظریہ زمان و مکان میں کائنات میں انسانی رسائی کا سوال بہترین صورت میں سامنے آتا ہے۔نظریہ شخص اکبر بذات خود انسان کا کائنات پر انطباق ہے۔اس کے ساتھ شخص اکبر میں زمان و مکان، انواع و امکانات کے بیک وقت ظہور اور باہمی اثرات سے مبراء ہونے سے انسان کو جو کہ اعلیٰ ترین نوع ہے زمان و مکان کی پابندیوں اور دوسری انواع اور امکانات کی پابندیوں سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس کا تعلق براہ راست ارادۂ الٰہی کے غیر مخلوق، غیر حادث تصور سے جوڑ دیتے ہیں۔اس سے انسان کائنات کا ایک جز یا کل پرزہ نہیں رہتا بلکہ حضوری ذات باری کا ادراک حاصل کرتا ہے۔

شاہ صاحب دین کو شخص اکبر کا حصہ بنا کر اور شرع کو زمانی و مکانی قیود کا پابند کر کے آفاقیت کے مسئلہ کو حل کرتے ہیں اور ان عناصر کو اسلام کی آفاقیت کا مظہر قرار دیتے ہیں جو کہ فطری اور نوعی ہیں۔اسلام کو دین قرار دے کر اسے فطری اصولوں کا مذہب قرار دیتے ہیں اور شرع کو زمانی امر قرار دے کر رسوم و رواج، معاشرتی تبدیلیوں اور ارتقائی عوامل کی اہمیت واضح کرتے ہیں اور اس طرح ایک کثیر القومی اور کثیر الثقافتی اسلامی امہ کے تصور کو چوتھے ارتفاق خلافت کی صورت دیتے ہیں۔[۳۶]

شاہ صاحب کے ان نظریات سے برصغیر میں وحدت الوجودی، روشن خیالی فکر کو فروغ حاصل ہوا۔سرسید نے اس بنیاد پر مذہب فطرت (Nature Sect) کے نظریات پھیلائے اور ولی اللٰہی کہلائے۔[۳۷] علامہ شبلی نعمانی[۳۸] اور علامہ اقبال[۳۹] نے شاہ صاحب سے اسلام کی آفاقیت کا درس لیا اور برصغیر کے تمام مکاتب فکر نے شاہ صاحب کو امام کے منصب پر فائز کیا۔[۴۰]

حوالہ جات

۱۔ سب سے قدیم مصری تہذیب کی باقیات سے نظریہ زمان و مکان کے ادراک کا واضح اظہار ہوتا ہے۔

۲۔ جدید طبعیات کی سب سے اہم اصطلاح آفاقیت اور جدید ریاضی کی بحث محدود اور لامحدود زمان و مکان سے منسلک ہیں۔

۳۔ حوالہ شدہ، جیمز مل، تاریخ ہندوستان، (انگریزی) ۱۸۱۷ء، جلد اول، باب فلسفہ۔

۴۔ برگسان حوالہ شدہ، علامہ اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، (انگریزی)، لاہور ۱۹۸۷ء، ۴۴۔

۵۔ الٰہیاتی اور ارتقائی عوامل کا تعلق اس بحث سے ہے کہ آیا نظام کائنات بغیر کسی نظام کے ایک بالاتر ہستی ذات الٰہی اپنی منشا سے چلا رہی ہے یا کہ اس میں رونما ہونے والی تبدیلیاں ایک ارتقائی عمل کے ذریعے وجود میں آرہی ہیں۔

۶۔ علامہ اقبال، حوالہ بالا، ۱۰۵۔

۷۔ شاہ ولی اللہ (۱۷۶۲ء۔۱۷۰۳ء) برصغیر پاک و ہند کے مشہور مسلمان صوفی، فلسفی اور مصلح تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور معاشی اصلاح اور احیاء کے لئے مغل دور زوال میں بھرپور کوششیں کیں۔ ان کی مشہور تصانیف حجتہ اللہ البالغہ، بدور البازغہ، ازالتہ الخفا، لمحات، ہمات، سطعات، قول الجمیل، تاویل الاحادیث اور خیر الکثیر ہیں۔ تصنیفات کی مجموعی تعداد ستر سے زائد ہے۔

۸۔ عتیق فکری، شاہ ولی اللہ کا نظریہ زمان و مکان، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۰ء ۲۶

۹۔ شاہ ولی اللہ' مکتوب مدنی' مطبوعہ ادارۂ اسلامیہ، ۱۹۱۸ء

۱۰۔ شاہ ولی اللہ، خیر الکثیر، دوسرا خزانہ، الولی، مئی ۱۹۷۲ء، ۲۸۔ (الخیر الکثیر موضوعات کے حوالے سے دس حصوں میں تقسیم ہے اور ہر حصہ خزانہ کہلاتا ہے۔)

۱۱۔ بحوالہ الولی، ایضاً

۱۲۔ شاہ ولی اللہ، لمحات، حیدرآباد، ۱۹۸۰ء، لمحہ ۵ (لمحات مختلف حصوں میں تقسیم ہے اور ہر حصہ ''لمحہ'' کہلاتا ہے۔)

۱۳۔ زمان سرمدی کی اصطلاح شخص اکبر کی تخلیق سے پہلے کے لئے استعمال کی جاتی ہے جب کہ ذات باری کے سوا کسی چیز کا وجود نہ تھا۔ لیکن زمان کا استعمال ہی زمان کے لئے بحث کے راستے کھول دیتا ہے۔

۱۴۔ شاہ ولی اللہ خیر الکثیر، تیسرا خزانہ، الولی، جون ۱۹۷۲ء، ۱۷۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ شاہ ولی اللہ، لمحات، لمحہ ۹۔

۱۷۔ شاہ ولی اللہ خیر الکثیر' دوسرا خزانہ، الولی، مئی ۱۹۷۲ء، ۲۹۔

۱۸۔ ایضاً، تیسرا خزانہ، ۱۷۔

۱۹۔ اور رات اور دن کے آنے اور جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

۲۰۔ آیت' کل یوم ھو فی الشان' تبدیلیوں کی وضاحت کرتی ہے۔

۲۱۔ شاہ ولی اللہ، لمحات، لمحہ ۱۹۔

۲۲۔ شاہ ولی اللہ، حجتہ البالغہ، مترجم مولانا خلیل احمد، لاہور، ۱۶۔۱۷، شاہ ولی اللہ کے مطابق صفت رحمت کے تحت تمام نظام کائنات کو متقفل کر دیا گیا ہے۔

۲۳۔ شاہ ولی اللہ، بدور البازغہ، باب اول۔

۲۴۔ اقترابات اور ارتفاقات کے لئے دیکھئے، بدور البازغہ، حصہ اول و دوم' حجتہ اللہ البالغہ، ابواب ۱۸ تا ۳۵' تاویل الاحادیث۔

۲۵۔ شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، باب ۱۰۔

۲۶۔ شاہ ولی اللہ، خیر الکثیر، دسواں خزانہ۔

۲۷۔ شاہ ولی اللہ تاویل الاحادیث، حیدر آباد، ۱۹۸۰ء، مقدمہ۔

۲۸۔ حجتہ اللہ البالغہ، ۳۸۔

۲۹۔ تاویل الاحادیث مترجم، غلام مصطفیٰ قاسمی، قصص الانبیاء کے رموز اور ان کی مصلحتیں، حیدر آباد، ۱۹۸۰ء، مقدمہ مترجم۔

۳۰۔ حجتہ اللہ البالغہ، باب ۸۔

۳۱۔ ایضاً، باب ۲۸۔

۳۲۔ عبد الواحد ہالیپوتہ، شاہ ولی اللہ کے اصول حکمت، الرحیم، جون ۱۹۶۳ء، ۵۶۔

۳۳۔ قاضی جاوید، افکار شاہ ولی اللہ، لاہور، باب اول۔

۳۴۔ شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین، مشاہدہ ۱۰۔ (فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ کے داخلی مشاہدات پر مشتمل ہے اور ہر مشاہدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے)۔

۳۵۔ زمان سرمدی کی اصطلاح اس وقت کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہے جس میں کوئی تجدد اور فنا یا زوال نہ ہو اور جب سوائے ذات اقدس کے کوئی امکان موجود نہیں تھا۔

۳۶۔ شاہ ولی اللہ بدور البازغہ، باب خلافت۔

۳۷۔ ابوسلمان شاہ جہانپوری، سرسید احمد خان بحیثیت ولی اللٰہی، الولی، اکتوبر ۱۹۷۲ء، ۲۰۹۔

۳۸۔ شبلی نعمانی' الکلام و علم الکلام' لکھنو ۱۹۲۶ء، ۱۱۵۔

۳۹۔ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ' لاہور' ۱۹۸۶ء' ۲۶۴۔

۴۰۔ اے۔ ڈی مضطر، شاہ ولی اللہ (انگریزی) اسلام آباد، ۱۹۷۲ء، ۱۱۸۔

NIHCR is pleased to announce that it has published:

Political Parties in Pakistan 1969-1971 Vol.III

by

M. Rafique Afzal

About the Book: This volume analyzes the functioning of the political parties during Yahya Khan's interregnum in the history of Pakistan. There was mushrooming of political parties and radicalization of their objectives. For understanding their role. the parties have been put in the 'rightist'. 'leftist' and regionalist' categories and their working has been studied in four phases. In the first phase (March 26-December 31. 1969). their leaders could express their opinions on political and constitutional issues but they could not organize public meetings and processions. In the second phase. (January 1-December 13. 1970). the parties were engaged in the longest unrestrained election campaign in the history of Pakistan. In the their phase (December 1970-March 25. 1971). the tow major 'winning' parties negotiated to find a consensual constitutional formula. Military crackdown in East Pakistan complicated the deadlock in the negotiations. And I the last phase (March 26-December 19. 1971). the parties were again reduced to the status of pressure groups. This exhaustive analysis of the political parties would benefit the scholars and the general readers.

About the Author: M. Rafique Afzal educated at the Government College. Chakwal; Gordon College. Rawalpindi: and the University of Toronto. Canada. has worked as Research Assistant at the Historical Research Institute. University of the Punjab. Lahore (1963): Research Supervisor at the Research Society of Pakistan, Lahore (1964-70); Senior/Principal Research Fellow at the National Commission on Historical and Cultural Research. Islamabad (1975-77). Presently he is Professor. Department of History. Quaid-i Azam University. Islamabad.

In addition to the above, his two previous volumes (revised) are also available at NIHCR, # 605, St.29, G-10/2, Islamabad, Pakistan Tel: (051) 294642, 294637

Price:

Volume I	Rs. 250.00	US$ 35
Volume II	Rs.220.00	US$ 30
Volume III	Rs. 250.00	US$ 35